Seminar Library
Department of Islamic History
University of Karachi

دعوت فکر و نظر

جسٹس ایس۔ اے۔ ربانی
سابق جج سندھ ہائیکورٹ اور فیڈرل شریعت کورٹ

کیا مسلمان عروج حاصل کر سکتے ہیں؟

ٹیلی ویژن کے ایک چینل پر ایک مذاکرہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جس میں یہ سوال زیر غور تھا کہ کیا مسلمان دنیا میں دوبارہ عروج حاصل کر سکتے ہیں اور کیسے؟ مسلمانوں کے زوال کی عمومی وجہ یہ بیان کیا گئی ہے کہ ماضی میں مسلمان حکمرانوں نے قوم کی تعلیم کے لئے اقدام نہیں کئے اور تعلیمی ادارے۔ یونیورسٹیاں اور رصدگاہیں بنانے کے بجائے انہوں نے دوسری عمارتیں بنائیں۔ حل یہ بتایا گیا کہ اگر تعلیم پر زور دیا جائے اور اعلیٰ تعلیمی ادارے قائم کئے جائیں تو مسلمان عروج حاصل کرلیں گے یا کر سکتے ہیں۔

اس مسئلہ کو اگر ہم پاکستان کی نسبت سے سمجھنے کی کوشش کریں اور یہ فرض کریں کہ یہاں اعلیٰ تعلیمی ادارے قائم کردیے جائیں اور ملک کی بیشتر آبادی ان اداروں سے تعلیم حاصل کر کے ڈگریاں لے لے تو یہ ہو تو سکتا ہے کہ لوگ زیادہ بہتر روزگار حاصل کرلیں اور خوشحال ہو جائیں۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ دنیا میں عروج کیسے حاصل کرلیں گے۔ حالانکہ اس بات کا اندیشہ بھی ہے کہ زیادہ تعلیم یافتہ لوگوں کی موجودگی کی وجہ سے مناسب روزگار بھی حاصل نہ کیئے جاسکیں۔

درحقیقت اس مسئلہ پر غور کے لئے ہمیں پہلے "عروج" اور "تعلیم" کا مطلب طے کرنا ہوگا۔ ظاہر ہے عروج کا مطلب یہ ہے کہ ہم عقل و دانش اور ذرائع میں دوسری قوموں سے بہتر ہو جائیں یعنی علمی دریافتوں اور ایجادات میں ہم اوروں سے آگے ہوں۔ تعلیم کا مطلب جو اس دور کے مسلمان معاشروں میں عام طور پر سمجھا جاتا ہے وہ یہ ہے جو علم دریافت کر کے پہلے کتابوں میں لکھ دیا گیا ہے وہ پڑھ لیا جائے اور سیکھ لیا جائے۔ آج کا مسلمان اور خاص طور پر پاکستانی اپنا سارا ذہن اور دماغ صرف ان چیزوں کی تلاش میں صرف کرتا ہے جو پہلے سے موجود ہیں اور دریافت کے بعد کتابوں میں لکھی جاچکی ہیں۔ اس

کے نزدیک یہی علم اور تعلیم کی حد ہے۔ ریسرچ بھی اسی پر محدود ہوتی ہے اور تحقیقی مقالے مختلف کتابوں سے مواد جمع کر کے ہی بنائے جاتے ہیں۔ ہمارے یہاں علم صرف وہ ہوتا ہے جو پہلے سے دریافت ہو چکا ہے۔ اور ہر شعبے میں ہم نظیریں (Precedents) ڈھونڈنے کو ہی علمی قابلیت تصور کرتے ہیں۔ ہمارے پارلیمانی ادارے ہر مسئلہ پر پچھلی روایت ڈھونڈتے ہیں۔ ہماری عدالتوں میں سارا وقت (Precedents) نظیریں پیش کرنے میں لگایا جاتا ہے۔ ہمارے دفتروں میں وہ شخص بہت قابل سمجھا جاتا ہے جو ہر موقع پر یہ بتادے کہ پہلے ایسے معاملے میں کیا کیا گیا تھا۔

ہم یہ جانتے ہی نہیں کہ زیادہ اہم علم جو ہمیں دوسروں سے آگے لے جاسکتا ہے وہ علم جو تخیلاتی مشاہدے سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ علم کتاب سے آگے ہوتا ہے۔ آج تک دنیا میں جتنی بھی ایجادات اور دریافت ہوئیں ہیں وہ اسی علم سے ہوئی ہیں۔ جن لوگوں نے یہ ایجادات یا دریافتیں کی ہیں انہوں نے اس کے لیئے یونیورسٹیوں سے ڈگریاں نہیں حاصل کی تھیں۔ شاید یہ ہو سکتا ہے کہ آپ یونیورسٹی میں کسی اسکالر کو یا سائنٹسٹ دیدیں کہ وہ فلاں چیز کو ایجاد کرلے اور وہ اس میں کامیاب ہو جائے۔

کتابی علم حاصل کر کے ہم کبھی بھی سب سے آگے نہیں نکل سکتے کیونکہ اگر آپ دنیا کی تمام کتابوں کا علم حاصل کرلیں جو کہ ناممکن ہے تو بھی آپ اس سے پیچھے رہیں گے جس نے وہ علم دریافت کر کے کتاب میں لکھا ہے۔ پرانی نظیریں ڈھونڈنے کی عادت ہمارے عروج کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ ہم نے تو اس عمل کو آئینی حیثیت بھی دیدی ہے۔ آئین میں لکھ دیا گیا ہے کہ اعلیٰ عدالتوں کی تعبیریں دوسری عدالتوں کے لئے نظیر ہونگی اور ان پر ان کا ماننا ضروری ہوگا۔ یہ آئیڈیا ہم نے انگریز کے زمانے کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء سے لیا۔ ہمارا مزاج یہ بن گیا ہے کہ اگر آپ اپنی سوچ اور تخیل سے کوئی انتہائی عالمانہ اور عقل مندی کی بات کریں تو اس کی پچھلی نظیر پوچھی جائے گی اور وہ نہ ہونے پر زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ یہ آپ کا اپنا نظریہ ہے۔ لیکن اگر آپ یہ بتادیں کہ یہ بات فلاں فلاں شخص نے فلاں فلاں کتاب میں لکھی ہے تو لوگ کہیں گے آپ تو بہت قابل اور بڑے عالم ہیں۔ یہی ذہنیت ہے جو مسلمانوں کو عروج کی طرف رخ نہیں کرنے دیتی۔

کسی بھی قوم کو اگر عروج حاصل کرنا ہے تو اس کو Original Thinking, Imigination اور ذہن کے تخیلاتی استعمال کی حوصلہ افزائی کرنا ہوگی اور یہ سمجھنا ہوگا کہ اصل علم جو عروج کی طرف لیجاسکتا ہے وہ علم ہے جو ابھی کتابوں میں منتقل نہیں ہوا ہے۔ سوچنے کے عمل کو ہی اجتہاد کہا جاتا ہے اور مسلمانوں پر اس کی پابندی لگادی گئی ہے۔ غلام قوموں پر بھی ان کے آقا اس قسم کی پابندی لگا

دیتے ہیں۔ اس طرح ہم دو دفعہ متاثر ہوتے ہیں۔

اداروں کا زوال

جیو نیلی وژن کے پروگرام، پچاس منٹ، میں ایک انتہائی اہم موضوع پر مذاکرہ منعقد کیا گیا، موضوع یہ تھا کہ پاکستان میں قومی ادارے زوال پذیر کیوں ہیں؟ حقیقت حال سے واضح ہے کہ تمام ادارے زوال پذیر ہیں، لیکن اس عمل کو کامیابی کے ساتھ روکنے کے لئے اسکی حقیقی وجوہات کا پتہ لگانا ضروری ہے۔

مذاکرہ میں مختلف وجوہات بیان کی گئیں اور یہ بھی کہا گیا کہ پاکستان میں ادارے بن ہی نہیں سکے۔ لیکن یہ بات حقائق سے مطابقت نہیں رکھتی، جن اداروں کی بات کی جاتی ہے وہ انگریز کے دور میں ہی اس خطے میں قائم ہو گئے تھے۔ پاکستان بننے پر یہی ادارے اس ملک میں قائم کر دیئے گئے اور قیام پاکستان کی پہلی دہائی میں یہ ترقی پذیر بھی رہے اور بہت حد تک کامیابی کے ساتھ کام بھی کرتے رہے۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ اس دور میں جو لوگ با اختیار تھے انہوں نے قیام پاکستان کی تحریک بھی دیکھی تھی اور وہ قومی جذبہ سے سرشار اور اخلاقی قدروں کا لحاظ رکھنے والے لوگ تھے۔ آہستہ آہستہ یہ لوگ دائرہ عمل سے خارج ہوتے گئے اور پہلے مارشل لاء کے بعد دوسرے لوگوں نے انکی جگہ لے لی اور بعد میں آنے والے لوگوں کی اخلاقی قدریں مختلف تھیں۔ یہیں سے پاکستانی معاشرت کا رنگ اور انداز بدل گیا۔ زمام اختیار اب ان لوگوں کے ہاتھ میں نہیں رہی جو قومی جذبے اور اخلاقی قدروں سے لیس تھے۔

بنیادی طور پر پاکستانی معاشرہ قبائلی قدروں اور فیوڈل نظام پر مشتمل ہے۔ قبائلی اور فیوڈل معاشرے کی سب سے بڑی اور اہم قدر طاقت کی پرستش ہوتی ہے۔ طاقتور کی خوشی اور فرماں برداری ہی اس معاشرے کی بنیادی قدر ہوتی ہے۔ باقی قدریں اسی اصول پر بنتی ہیں۔ پاکستانی قومیتوں کا یہی مزاج ملک میں بار بار مارشل لاء لگنے کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ مارشل لاء فوج کی حکمرانی ہے اور فوج طاقت کا سمبل ہے۔ یہاں جب بھی کوئی جنرل مارشل لاء لگاتا ہے تو معاشرے کا ایک بڑا حصہ اس کا استقبال کرتا ہے اور اپنی خدمات اسے پیش کرتا ہے اور یہ عام سوجھ بوجھ کی بات ہے کہ جس کا استقبال کیا جائے، وہ بار بار آئے گا۔ ہمارے معاشرے کی اس خصوصیت کو دیکھ کر بآسانی یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہاں ہمیشہ بار بار مارشل لاء لگتے رہیں گے اور کوئی قوت اس کو روک نہیں سکتی۔ مارشل لاء سے نجات کا صرف ایک ہی ذریعہ

ہے کہ قوم کا مزاج بدلا جائے تو طاقت کی پوجا کے بجائے دوسری اعلیٰ اور معروف قدروں کو قومی مزاج کا حصہ بنایا جائے ہندوستان اور دوسری مہذب قوموں اور ملکوں میں مارشل لاء نہ لگنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہاں کی فوج کمزور ہے وہاں مارشل لاء اس لئے نہیں لگتا کیوں کہ وہاں جنرلوں کو یہ معلوم ہے کہ قوم ان کا استقبال نہیں کرے گی۔ ورنہ مارشل لاء لگانے کے لئے پوری فوج کو استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

قومی اداروں کے زوال کی دو اصل اور بنیادی وجوہات ہیں۔ ایک اخلاقی قدروں کا بحران اور دوسرے سوچ کا فقدان کسی بھی قسم کے قانون کی پابندی ہمارا انفرادی اور قومی مزاج نہیں ہے۔ بڑے بڑے قومی اداروں میں بیٹھے ہوئے لوگ اس معاملہ میں حساس نہیں ہیں کہ ہر حال میں قانون کی پابندی ہونی چاہیے۔ وہ صرف اس حد تک قانون کی پابندی کے قائل ہوتے ہیں جب تک انکا مفاد متاثر نہ ہو اور جب تک کسی صاحب قوت و اختیار کی ناراضگی کا احتمال نہ ہو یہی وجہ ہے قومی اداروں پر سے عام آدمی کا اعتبار اٹھ گیا ہے۔ دوسرے ممالک میں بھی لوگ انفرادی طور پر جھوٹ بولتے ہونگے لیکن ہمارے یہاں قومی ادارے بھی صاف جھوٹ بولتے ہیں جس کی وجہ سے کسی بھی ادارے کی کریڈیبلٹی باقی نہیں رہی۔ نہ ہم سچ بولتے ہیں اور قانون کی پابندی کو اپنے مفاد سے بالاتر سمجھتے ہیں بلکہ قانون کی خلاف ورزی کو اعلیٰ حیثیت کا اظہار سمجھا جاتا ہے۔ ادارے انسانوں کے لئے بنتے ہیں اور جیسے اعتقادات اور اہلیت کے لوگ یہ ادارے چلاتے ہیں اسی پر ان اداروں کی ترقی، استحکام یا زوال کا انحصار ہوتا ہے۔ اداروں کے حوالے سے 'میرٹ' (Merit) انتہائی اہم اور اعلیٰ قدر ہوتی ہے خاص طور سے ان عہدوں کے لئے جو صاحب اختیار ہوتے ہیں۔ یہ اب عام طور مشاہدے کی بات ہے کہ اعلیٰ عہدوں پر تقرری کے لئے اہلیت کے بجائے اور بہت سی چیزوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ آج کے حالات کا اگر غور سے اور غیر جانبداری سے جائزہ لیا جائے تو یہاں Misfits کی دنیا نظر آئے گی۔ چند استثناء ضرور دیکھے جا سکتے ہیں۔

اداروں کے زوال کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ہماری تمام عقل، نقل کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ بغیر مناسب غور و فکر کے ہم دوسروں کے طور طریقے اپنانے کی کوشش کرتے ہیں جو بجائے فائدے کے نقصان کا سبب بنتے ہیں۔ اسکے علاوہ بھی جو بھی تبدیلی بہتری کے لئے کی جاتی ہے وہ بدتری کا سبب بن جاتی ہے۔ یہ عمل اداروں کی خرابی کا باعث بنتا ہے۔

اس ملک میں جب بھی کسی شعبہ میں اصلاحات کی گئی ہیں وہ متعلقہ ادارہ کی بدتری اور زوال کا باعث بنی ہیں اسکی بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں تعلیمی اصلاحات کی گئیں اور ڈگری کورس